

مسلماں مجھے
185

رجسٹرڈ نمبر ۱۴۴۲ / ۱۴۴۳ / ۲۰۲۳

مسلماں! ...!
ہوشیار

ایک اچھوتی تحریر

فوج کا علاج

حیا
ایک دلچسپ تحریر

چور بڑا آلتا
ملکی بھلکی
مزاخیہ تحریر

دیگر مستقبل
سلسلہ
نویسٹ کچھ

کاش وہ میرا بیٹا ہوتا

نیک کے کہے تسلیم کرنے کا کیا ہے؟

سب سے نفوذ اور تیرا اشاعت

ماہنامہ
مسلمان بچے
پاکستان

بچوں کے

لڑائی اخلاقی تعلیم
میں نیکو کارپ لڑکوں

بچے تو کچھ دیکھ رہے ہیں
مگر بچے اس وقت

شمارہ 7 | بچے کے تعلیم | 1443ھ بمطابق فروری 2023ء | جلد: 10

قیمت فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ تعاون = 720 روپے

اپنی بہترین معلومات سب سے سہل فہم زبان

پس منظر: 15 اپریل اور مئی

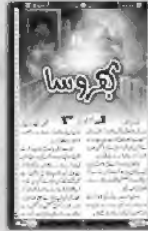
تربیت قومی حصول مہارت:

مکتبۃ ابن مبارک

37- حق سرایت
اردو بازار - لاہور
0322-5140485

پیشہ ورانہ تعلیمی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں



10	میر فیصل علی	بھوت کا علاج	●
14	تسلیمہ موسیٰ	کاش اوہ میر ایسا ہوتا	●
20	ام عبد اللہ	دوسرا گھر	●
24	زبیر طیب	بالآخر چور پکڑا گیا	●
29	ابوشفاء	ایجادات کی دنیا	●
41	امامہ خالد	بہر و پیا	●
50	محمد طلحہ	تچی خوشی	●
53	رشدندہ بیگم	حیا	●
58	عبد الحفیظ امیر پوری	ٹیپو سلطان	●
63	بیگم سیدہ ناجیہ شعیب	شچی خورے کا انتہام	●
67	محمد مقصود شہید	غازی	●
74	دانیال حسن چغتائی	شان حضرت ام سلمہؓ	●
81	محمد عثمان ارشاد	نظر کا مجرم	●
88	مجاہد بن محمد ربابی	وہ کون تھے	●

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔۔

مہربانی تعالیٰ

جب لیتا ہوں میں نام ترا مری صبح میں جو جاتی ہے
ہر سانس مجھے لگتی ہے ملکہ جنیں جو جاتی ہے
جب صبح تمہیں میں جا کر میں کھتی لگیوں کو دیکھتا ہوں
مرے گرد بخش کی ملی لگا فروں ہل جاتی ہے
جو مانگا ہوں ترے در سے وہ ملنے میں اگر کچھ دیر بھی جو
اٹھتے ہیں دعا کو ہاتھ یہاں صبحیں وہیں جو جاتی ہے
سب بگڑے نام انسانوں کے بس ترے کرم سے غفے میں
ہم آں لکھ لیتے ہیں کہیں اور پوری کہیں جو جاتی ہے
ملاؤں تو ہوں دیا سے مگر تری رحمت سے ملاؤں نہیں
ترے از کرم سے اک ہل میں ظاہر ہیں جو جاتی ہے
ٹھکرا دیتا ہے اک ہل میں دو کون دھول کی دولت کو
جب جوش کسی کے دل میں لگن اللہ کی مٹیں جو جاتی ہے



فرمان باری تعالیٰ

”اور البتہ ہم تم سے پہلے کئی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جب انہوں نے قلم اختیار کیا، حالانکہ پیغمبران کے پاس کئی نشانیاں لائے تھے اور وہ ہرگز ایمان لانے والے نہ تھے، ہم گناہگاروں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔“ (یونس)

نعت رسول مقبول ﷺ

ہل ڈالے جس نے حرب کے نصیب
بچے جس نے یمن امیر و طرب
خدا نے جسے دی کتاب عجیب
اگرچہ تھا آئی مگر تھا ادیب
فصاحت بلاغت قصی قربان اس بہ
نہ کہیں لوگ لے آئے ایمان اس بہ
جوانی میں تھا ایسا وہ پاسماز
کہ کرتے تھے سب ہاشمی اس پہ ناز
تھا عربوں کے حالات میں اک حاکم
محمد میں پہاں تھا عیسا کا قائم
نہ غوثی تھی کوئی برافیاں تھیں ساری
محمد ﷺ نے یوں ان کی حالت ستواری
کہ دنیا نے علم و شہر ان سے نیکیا
امول سکوت کا شر ان سے نیکیا

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
”ہر نبی کی ایک دعا ہوتی ہے جو وہ کرتا ہے (اور وہ قبول ہوتی ہے) اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا آخرت میں امت کی شفاعت کھیلنے محفوظ رکھوں۔“ (بخاری)





ایک عالم یاد کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اٰخِيَاْنَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاَلَيْهِ
النُّشُوْرُ۔ (بخاری)

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں
مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَصْرَ مَنْ اسْتَغْفَرَ
وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِينَ مَرَّةً۔

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص مغفرت طلب کرتا ہے وہ
مصر (گناہ پر دوام اختیار کرنے والوں میں سے) نہیں خواہ وہ
دن میں ستر مرتبہ وہی گناہ دہرائے۔“

فانوس جلا دیجئے

اپنی عادت اپنی خصلت کو بدل سکتا ہے کیا
 آدمی انسان کے سانچے میں ڈھل سکتا ہے کیا
 جس کو سائے میں خدار کھے ہمیشہ کے لئے
 آتش نمرود سے وہ شخص جل سکتا ہے کیا
 پیٹ میں روٹی نہ ہو اور پاؤں میں چپل نہ ہو
 ایسے عالم میں کوئی کانٹوں پہ چل سکتا ہے کیا
 توڑنا آتا نہ ہو جس کو درو دیوار قید
 ایسا قیدی جیل سے باہر نکل سکتا ہے کیا
 کوئی دانشور اگر ہوتا تو اس سے پوچھتی
 تیز آندھی میں چراغ راہ جل سکتا ہے کیا
 اپنی اپنی منزلیں ہیں اپنے اپنے راستے
 عمر بھر کوئی کسی کے ساتھ چل سکتا ہے کیا
 یاد بابرؒ کو کروں اور سامنے آجائے وہ
 ایسی یادوں کا کوئی فانوس جل سکتا ہے کیا



السلام علیکم

استقبالِ رمضان کے مہینوں کا آغاز ہو گیا۔ مسنون دعاء دہرائیں اور ذہن نشین کر لیں۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ وَبِلِقَاءِ رَمَضَانَ
دوسرا سبق قرآن مجید کا تازہ کر لیں۔ یوں تو مسلمان کا قرآن مجید سے تعلق سال بھر قائم رہنا چاہیے۔ اور زندگی کے ہر دن یہ تعلق وفاداری کے ساتھ نبھانے کی فکر رہنی چاہئے لیکن رمضان المبارک تو بطور خاص قرآن مجید کا مہینہ ہے اس لئے اس کی آمد سے قبل ہی خود کو تلاوتِ قرآن کی کثرت کا عادی بنالینا چاہئے تاکہ رمضان المبارک آنے تک زبان خوب عادی ہو جائے اور وقت بھی تلاوت کی قید میں آجائے۔ رمضان آنے کے بعد اس کی کوشش کی جائے تو مشکل ہوتی ہے، زبان نہیں چلتی، دل لگانا مشکل ہوتا ہے اور وقت کی پابندی بھی نہیں ہو پاتی۔

نبی کریم ﷺ کے مبارک مسنون عمل سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ رمضان المبارک میں جو عبادات اچھی طرح اداء کرنی ہو اسکی عادت پہلے سے بنانی چاہئے، آپ ﷺ سال کے ہر مہینے میں کچھ دن ضرور نفی روزوں کا اہتمام فرماتے تھے لیکن شعبان کے مہینے میں سب سے زیادہ روزے رکھتے تھے۔ یہ اہتمام اس لئے تھا کہ رمضان کی آمد سے قبل ہی روزوں کی عادت ہو جائے اور جسم روزے کے حالت میں عبادات کی ادائیگی کا عادی بن جائے اور روزہ رکھ کر بھول جانے کا خدشہ کم ہو جائے۔

تو ہم بھی رمضان المبارک کی تیاری کے لئے ان اعمال کو ابھی سے اپنائیں۔ حتیٰ الوسع نفل روزے رکھنا شروع کر دیں اور جوں جوں رمضان قریب آتا جائے ان کی تعداد بڑھاتے جائیں۔

تلاوت کی کثرت کا اہتمام کرنا شروع کر دیں اور روزانہ اس کی کچھ نہ کچھ تعداد بڑھائیں۔ زبان، آنکھ، کان کی گناہوں اور فضولیات سے حفاظت کا اہتمام شروع کر دیں تاکہ رمضان آنے تک عادت پختہ ہو جائے۔ نوافل کی تعداد میں اضافہ کرنا شروع کر دیں اور یہ سب اعمال اس طرح اختیار کریں کہ دوام کے ساتھ چلتے رہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ دن زور لگا کر پھر تھک پار کر اکتا کر بیٹھ جائیں۔ سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو دوام اور ہمیشگی کے ساتھ کیا جائے اگرچہ مقدار میں کم ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا محب و جان
ابوالحسن

فرحان کا علاج

مجید فیصل علی



گھر کا دروازہ
عبور کرتے ہی فرحان رک گیا۔

پاؤں
جاتے ہوئے اچھے لگ
رہے ہو کیا؟

اس کے چہرے پہ غصے اور ناراضگی کے
تاثرات عیاں تھے۔ اس نے وہیں رک کر
اٹھنا سہ جوتے اتارے اور پھر انہیں ہوا میں
گھماتے ہوئے لان میں پھینک دیا ساتھ ہی وہ
بلند آواز میں چلایا:

امی جان نے اسے پکار کر کہا مگر وہ تو دندناتا
ہوا اپنے کمرے میں گھس چکا تھا۔
دادی اماں نے زہ لب لاحول و لا قوۃ
پڑھنے پڑھنا کیا پھر وہ بولیں۔

”مجھے سننے جوتے چاہئیں، میں ہر صورت
سننے ہی لوں گا۔“

”بیٹی! اس بچے کا کیا ہے گا آخر؟“
”اللہ خیر کرے امی جان! میں خود بہت
پریشان ہوں، ابھی تو دس سال کا ہے، اگر اسی

سامنے صحن میں اس کی دادی اور امی حیران
وہ پریشان یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔
”فرحان بیٹے! یہ کیا حرکت ہے؟ اب ننگے



”ہونہر، آہستہ، تاکہ ایک بات بتانے میں دس گھنٹے لگ جائیں۔“ فرحان نے برا سامونہر بنایا۔

”بیٹے! آپ کیسے بول رہے ہو، دادی جان تو آپ کو نرم انداز میں بات کرنے کا کہہ رہی ہیں۔“ امی نے اسے پیار سے سمجھایا۔

”اچھا! اچھا! ٹھیک ہے۔“ فرحان نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اسی اثناء میں ارسلان صاحب نے کھانا مکمل کر لیا تھا، وہ دسترخوان سے اٹھتے ہوئے بولے۔

”فرحان! اتم میرے کمرے میں آؤ ذرا!“ یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ فرحان نے امی اور دادی کو دیکھا، پھر بولا۔

”آپ دونوں ساتھ چلیں گی تو جاؤں گا ورنہ نہیں۔“

”اچھا! بابا ٹھیک ہے، اب جلدی سے کھانا ختم کرو!“

امی نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا، دادی جان پوتے کو دیکھ کر مسکرائے جارہی تھیں۔

فرحان گھر بھر کا اٹکو تانچہ تھا۔ اس لیے اسے بہت لاڈ پیار سے پالا پوسا گیا تھا۔

اب اس بے جالاڈ کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے اور فرحان ہر دوسری بات پر ہند کرتا اور اپنی ہند کے راستے پہ چلا جا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے اس

مزاج میں بڑا ہوتا گیا تو یہ مادات پختہ ہو جائیں گی۔ امی جان نے تشریف بھرے لہجے میں کہا۔

”عجب بھوت سوار ہے اس پر نئی چیزوں کا، آج ارسلان بیٹے سے بات کرتی ہوں میں“ دادی جان نے فرحان کے ابو کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

”جی بالکل اصل جمل کر کوئی مشورہ کرتے ہیں۔“ امی نے دادی جان کی تائید کی۔



شام کا کھانا کھایا جا رہا تھا۔ سبھی لوگ دسترخوان پہ جمع تھے۔ کھانے کے دوران امی جان نے بات شروع کی۔

”فرحان بیٹے! آپ نے آج اسکول سے آتے ہی مجھے جوتوں کا کہا تھا لیکن آپ کے جوتے تو بالکل صحیح سالم پڑے ہیں، میں چیک کر چکی ہوں۔“

”نہیں! وہ پرانے ہو چکے ہیں، میں کل اسکول سے جوتے پہن کر جاؤں گا۔“ فرحان نے ناک بھونچو چڑھاتے ہوئے کہا۔

”جوتے کیا ہو چکے ہیں؟“ ابو نے نوالہ توڑتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

”پرانے!!! ایک تو سنستے ہی نہیں ہیں آپ“ فرحان نے چلاتے ہوئے کہا۔

”آہستہ، آہستہ۔ میرے شیر! بڑوں کے سامنے آہستہ آواز میں بولتے ہیں۔“ دادی جان نے مسکراتے ہوئے نصیحت کی۔

کے اندر بھی بری عادات پیدا ہو چکی تھیں۔

جن میں سے ایک عادت یہ تھی کہ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں ایک ماہ استعمال کرنے کے بعد پھینک دیتا تھا۔ مجال کے طور پر اسکول بیگ، یونیفارم، جوتے، اسکول کی کتابیں وغیرہ۔

اس کے بقول یہ اب پرانی ہو چکی ہیں جب کہ چیزیں تو قابل استعمال ہوتی تھیں۔

آج ارسلان صاحب نے عزم کیا ہوا تھا کہ وہ فرحان کو سمجھا کر ہی رہیں گے اور اس سے یہ بری عادت چھڑانے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور دو رکعت نماز حاجت ادا کر کے دعا کی اور اب وہ بے یقینی سے فرحان کے منظر تھے۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی:

”ٹھک ٹھک ٹھک!!“

”آجاؤ! ارسلان صاحب بولے۔

دروازہ آہستگی سے کھلا اور فرحان اپنی دادی اور امی کے ساتھ نمودار ہوا۔

”اوہو! وکیل بھی ساتھ ہیں۔“

ارسلان صاحب مسکراتے۔

”جی! جی بالکل! آپ لگائیں عدالت“

امی نے فحش کر کہا۔

”عدالت یہاں نہیں، فرحان میاں کے کمرے میں لگتی ہے، پتلیں سب!“

رسلان صاحب نے کہا تو سبھی چونک

پڑے۔

”ہائیں، میرے کمرے میں مگر کیوں؟“

فرحان حیران تھا۔

”تم چلو تو سہی!“ ابو نے اسے کہا اور پھر وہ سب

فرحان کے کمرے میں پہنچ گئے۔ ابو کمرے کا جائزہ

لے رہے تھے اور باقی سب لوگ ان کا جائزہ لینے

میں منہمک تھے۔ جی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر

ارسلان صاحب کیا کرنے والے ہیں۔

آخر ابو کی آواز ابھری۔

”بیگم!! ہمارا بیٹا پرانی چیزیں بالکل پرند

نہیں کرتا اور یہ اس کا حق ہے لہذا ہمیں چاہیے کہ

اس کے کمرے میں کوئی بھی پرانی چیز نہ ہو۔“

”جی جی جی جی!!!!“

فرحان کی امی کے مونہہ سے مارے حیرت

کے نکلا۔

”جی ہاں، اب میں پرانی چیزیں الگ کر رہا

ہوں، آپ انھیں یہاں سے فوراً نکال کر باہر

پھینک دیں۔“ ارسلان صاحب نے بھی انہی کے

انداز میں کہا۔

”مم مگر یہ تو میرے کھلونے ہیں۔“

فرحان ہکلا یا۔

”ہاں ہاں مجھے پتہ ہے مگر یہ سب تو بہت

پرانے ہو چکے ہیں یکے نال؟“

ابو نے کہا اور پھر وہ چیزیں نکالتے لگے۔

ساتھ ساتھ وہ چیزوں کے نام بھی لیتے

چیز نہیں ہے۔ قرآن پاک میں فضول خرچ کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ جس کی ضرورت ہو صرف وہی خریدیں اور اس سے مکمل فائدہ اٹھائیں۔“

فرحان اثبات میں سر ہلانے لگا۔ اس کے ذہن کی دنیا آہستہ آہستہ بدل رہی تھی۔ اس کا نئی چیزیں لینے کا بھوت آہستہ آہستہ اترتا جا رہا تھا۔ اہی، ابو اور دادی اس کا بدلتا چہرہ پڑھ رہے تھے اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر بھی لارہے تھے۔ الحمد للہ رب العالمین۔



چھپ چھپ گئے بھٹکے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور
خوب پانی حاصل کی اور تیل یا خوشبو
استعمال کی، پھر جمعہ کے لیے چلا اور دو
آدھیوں کے بیچ میں رہا اور بتقی اس کی
قسمت میں تھی، نماز پڑھی، پھر جب امام
باہر آیا اور خطبہ شروع کیا تو خوش ہو گیا،
اس کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک
کے تمام گناہ بخش دینے جائیں گے۔“

جا رہے تھے۔
”یہ بڑا فیاں بکھوئے، اور ہاں یہ ویڈیو بھی یہ
سب پرانی ہیں۔“

فرحان یہ سب دیکھ کر ہونٹ چارہا تھا، آخر
اس نے بیچ کر کہا۔

”پھر میں یہ سب چیزیں نئی لوں گا!۔۔۔“
اس نے گویا دھمکی دی۔

”ضرور کیوں نہیں، جیسے ہی نئے پیسے آئیں
گے لینا۔“

ابو نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“

فرحان دھک سے رہ گیا تھا۔

”یہ تو بھئی! دیکھ لو! سارے نوٹ پرانے
ہیں، ہر نوٹ پر تاریخ لکھی ہے۔“

ابو نے جیب سے کئی نوٹ نکال کر بیڈ پر
بکیر دیئے تھے۔ اب فرحان لا جواب رہ گیا تھا
اور بغلیں جھانکنے لگا تھا۔

”کیوں فرحان میاں کیا کہتے ہو؟“

ابو نے اس سے پوچھا۔

”سو رہی ابو!۔“

فرحان کے مونہہ سے نکلا اور وہ ساتھ چڑے
صوفے پر بیٹھ گیا۔

یہ دیکھ کر اہی، دادی اور مسکرائے لگے۔ ابو
اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے اور بولے۔

”میرے پیارے بیٹے! فضول خرچی اچھی

کاش!

وہ میرا کپڑا ہوتا

جی ہاں! اپنے بیٹے
حارث کی ویڈیو جو اسکے
بقول اس نے چپ کر
بنائی تھی۔ حارث ایک ٹاپیٹا
کو سڑک پار کروا رہا تھا۔
وہ سکول کی یونیفارم میں ملبوس
تھا۔ اختر صاحب بڑے فخر سے کہہ

رہا تھا۔

”میرا بیٹا میرا فخر ہے۔ اس طرح
چپ کر بیٹیاں کرتا ہے کہ ماں باپ کو
پتہ بھی نہیں چلتا۔ یہ تو میں نے کل دفتر جاتے
ہوئے اسے دیکھ لیا تو ویڈیو بنائی، شکیل اور اسلم
منہ بنا گئے۔ وہ اب زیادہ متاثر نہیں ہوتے تھے
مگر جاوید صاحب بہت متاثر ہوتا تھا۔

اختر صاحب نے اپنے بیٹے کی تعریفوں میں
زمین آسمان ایک کر دیئے۔ وہ ہمیشہ ایراسی کرتا
تھا۔ حارث کوئی اچھا کام کرتا تو باپ کہیں سے نمودار
ہو جاتا اور بطور ثبوت کے وہ اسکی ویڈیو بنا لیتا اور

شکیل، جاوید، اختر اور اسلم واک

کر کے تھک گئے تو وہیں ایک بیچ پر بیٹھ گئے۔

جاوید نے پانی کی بوتل منہ سے لگالی۔ وہ
چاروں بہت اچھے دوست تھے۔ ایک ہی محلے
میں رہتے تھے۔

ان کے بچے حارث، گوہر، عدیل اور فہد بھی
ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے۔

اختر نے اپنا موبائل فون نکال لیا اور اب وہ
ان تینوں کو ایک نئی ویڈیو دکھا رہا تھا۔



پھر غریب انداز میں وہ دیکھ لو اپنے دوستوں کو دکھاتا اور پھر فیس بک پر اپ لوڈ کر دیتا۔

مکملے والے حادثہ کی بڑی تعریفیں کرتے کہ حادثہ بڑا ہی نیک مجھ ہے۔ سب کی مدد کرتا ہے سب کے کام کرتا ہے۔ اختر کا سینہ فخر سے تن جاتا۔ وہ دوستوں میں اترا اترتا۔ ٹھیک اور اسلم زیادہ متاثر نہ ہوتے۔

ان کا خیال تھا کہ یہ سب ڈرامہ ہے جو وہ باپ بیٹا کرتے ہیں مگر جاوید صاحب بہت متاثر ہوتا تھا۔ وہ اپنے بیٹے پر کڑھتا رہتا اور اسے برا بھلا کہتا کہ دیکھو حادثہ کتنا پیارا مجھ ہے سب اختر کی اور اس کے بیٹے کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں مگر ایک میرا بیٹا ہے۔ ایک دم نکما، ٹھٹھو اور کام چور۔ وہ ٹھنڈی آہ بھر کر کہتا:

”آکاش! او میرا بیٹا ہوتا“

گوہر گھر میں داخل ہو۔ اس کی والدہ کچن میں کھڑی برتن دھو رہی تھی۔ جاوید چار پائی پر بیٹھا اخبار بھی پڑھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ مسواک بھی کر رہا تھا۔ گوہر جاوید کے پاس آیا۔

”ابو جی! مجھے پانچ سو روپے چاہئیں“

”پوچھ سکتا ہوں؟ کیوں؟ اور کس لیے؟“

جاوید صاحب اسے گھورتے ہوئے بولے۔

”وہ ابو! دراصل میں، فہد، حادثہ اور عدیل گھومنے جا رہے ہیں اس لئے“

”کہاں گھومنے جا رہے ہو؟ بر خود دار!“

”وہ ابو! دوسری قربتی پارک میں۔“

”نہیں میں میرے پاس کوئی پیسے۔“ جاوید

صاحب کا سا جواب دے کر دوبارہ سے اخبار پڑھنے لگا۔

”ابو کیا ہو جائیگا اگر۔۔۔“ گوہر کی بات مکمل بھی

نہیں ہوئی کہ جاوید صاحب قہقہہ پڑے۔

”نہیں میں میرے پاس کوئی، نالائق۔ بس

فصل خرچی ہی کرتے رہنا کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کرتا۔ ایک قرہ اور دوسرا وہ حادثہ! کتنا پیارا مجھ

ہے۔ سب کی زبانوں پر اس کی تعریف ہے۔“

اس کی والدہ کچن سے نکل آئی۔ وہ گوہر کو خود

سے لپیٹے ہوئے بولیں۔

”کیوں ڈانٹ رہے ہیں آپ بچے کو؟ پانچ سو

ہی تو مانگتے ہیں۔ آؤ بیٹا! میں دیتی ہوں آپ کو

پیسے۔ آئندہ مجھ سے مانگا کر دو!“

”ہاں! ہاں! اور بگڑو اپنے لاڈلے کو اسی

میتے تو بچو کیا ہے۔“

اس کی والدہ پانچ سو کا نوٹ لے آئی اور گوہر کو

دے دیتے ہوئے بولی۔

”یہ لو بیٹا! جاؤ جو بھی لینا چاہو لے لو!“ امی نے

اس کے سر پر محبت سے ہاتھ چھیرا۔

گوہر امی کو دیکھ کر مسکرایا، جاوید صاحب ٹلم

کر رہ گیا۔

”نکما، نالائق۔ پتہ نہیں کیا سوچ کر میں نے

اس کا نام گوہر رکھا۔ کاش کہ حادثہ میرا بیٹا ہوتا“

نہایت عمدہ دوا

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”جب کوئی مسلمان یا کوئی آدمی یا کوئی بندہ (یہ راوی کا شک ہے کہ کون سا کلمہ ارشاد فرمایا) صبح و شام یہ کہتا ہے:

”رَضِيتَ لِلّٰهِ رَنًّا، وَ لِلْإِسْلَامِ دِيْنًا، وَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ رِبًّا“

تو اللہ تعالیٰ پر اس کا یہ حق بن گیا کہ وہ قیامت کے دن اسے خوش کرے۔“

(مسلم ابن ماجہ)

دیکھا۔ انھیں صدمہ ہو سکا۔

”آہ! بے چاری راشدہ بوا! ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔“ حارث نے کہا۔ عدیل اور فہد حارث کو دیکھنے لگے۔

”یار! بوا بے چاری بوا ہیں۔ وہ خود دار ہیں اسی لیے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا رہیں۔ ہمیں یہ پیسے ان کو دے دیئے جائیں۔“ حارث نے کہا۔ ”کیا یار! اتنی بے عورتی کے بعد یہ پیسے ملے ہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ بوا کو دے دیں۔

یار تم! کرتے ہو۔ ہم نے کسی کی مدد کا شکیکہ تو نہیں اٹھا رکھا۔ بوا کی اپنی ٹہلی ہے کہ اس نے

دروازے سے نکلنے ہوئے گوبر نے یہ سنا تھا۔

ایک اداس سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

آج اتوار تھا تو چاروں دوستوں نے گھومنے پھرنے کا پلان بنایا تھا۔

حارث، فہد اور گوہر اب عدیل کو لینے اس کے گھر جا رہے تھے۔

وہ گلی سے گزر رہے تھے کہ انھیں راشدہ بوا کے ادھ کلمے دروازے سے پچوں کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ تینوں کے بڑھتے قدم

رک گئے۔ راشدہ بوا کی پانچ سہ بیٹی روتے ہوئے بولی۔

”اماں! کھانا۔۔۔ بہت بھوک لگی ہے۔“ ”کہاں سے لاؤں کھانا؟ ہاں بتاؤ! کس کس کے آگے جا کر ہاتھ پھیل دوں میں؟“ راشدہ بوا رو پڑی۔

وہ اپنے تینوں پچوں کو اپنے سینے سے لگائے پچوں کیساتھ خود بھی روری تھی۔ تینوں کو بے حد دکھ ہوا تھا۔

عدیل بھی ناں جانے کب آیا اور یہ منظر

بیوں کسی سے مدد طلب نہیں کی؟“ گوہر نے اپنی
مٹھی میں پکڑے پانچ سو کے نوٹ پر گرفت مضبوط
کی اور کہا۔

”ہاں یاد آگیا ہر ٹھیک کہہ رہا ہے اتنی محنت
سے پیسے ملے ہیں پلو انجوائے کرتے ہیں۔“
عدیل اور فہد جو کہ بوائے کی مدد دیکھنے نیم رضامند ہوئے
تھے ان کی بھی نیت بدل گئی۔

حارث کی جمدن بھی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی
تھی اور وہ لوگ روانہ ہو گئے۔



گوہر مسکرا رہا تھا۔ مغرب کی اذانیں ہو رہی
تھیں۔ راشدہ بوائے دعا کہتے ہاتھ اٹھائے۔ اس
کی تین سالہ بیٹی بولی۔

”امی! کیا آج بھی کھانا نہیں ملے گا؟“

”نال میرا بچہ! اللہ تعالیٰ تو رازق ہے۔ وہ
ہمیں ہمارے حصے کا رزق ضرور بھیجے گا۔“

راشدہ بوائے تپ کر اسے سینے سے لگا لیا اور
روتے ہوئے بولی۔

”امی! کیا اللہ تعالیٰ اوپر سے کھانا بھیجے گا؟“
راشدہ بوائے پانچ سالہ بیٹی معصومیت سے بولی۔

اس سے پہلے کہ راشدہ بوائے اسے جواب دیتی۔
دروازے پر دستک ہوئی۔ بوائے پانچ سالہ بچی
خوش ہو کر بولی۔

”امی! ضرور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کھانا
بھیجا ہو گا۔“

مگر بوائے اس کو امید نہیں تھی۔ بوائے
جوں ہی دروازہ کھولا۔ بوائے دیکھا کہ ایک بچہ
جس نے کالی جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ وہ بھانسا ہوا
گلی سے نکل گیا۔

بوائے افسوس سے سر ہلایا کہ یہ بچہ شرارت
سے دروازہ کھٹکا کر بھاگ گیا۔ وہ جونہی دروازہ
بند کرنے لگی تو اس کی نظر بچے دروازے کے
پاس جا پڑی۔ ایک کالا بڑا سا شاہد رکھا تھا۔

اس نے شاہد اٹھایا اور دروازہ بند کر کے
اندرا آگئی۔ تینوں بچے ماس کے ارد گرد اکٹھے
ہوئے۔

”امی! کیا ہے اس میں؟“ چھوٹی بیٹی نے
سوال کیا۔

راشدہ بوائے جونہی شاہد کھولا تو کھانے کی
خوشبو اس کے تھنوں سے نکلانی۔

جب کھولا تو شاہد میں پازل بریانی تھی۔
گوشت کا سالن اور روٹیاں تھیں۔

”امی! اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کھانا بھیج
دیا۔“ بچے خوشی سے چلا اٹھے۔

راشدہ بوائے آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔
اس رات انہوں نے خوب پیٹ بھر کے کھانا کھایا

اور کافی بیچ بھی گیا تھا۔ جو بوائے حج کے لیے رکھ
دیا تھا۔ بچے چین کی نیند سوچے تھے۔

راشدہ بوائے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے
اور اس بچے کے لیے دعا میں کرنے لگی۔

پھر یہ معمول رہنے لگا کہ وہ کالی جیکٹ والا بچہ ہر روز صبح مغرب کے بعد پل سٹا ہوا کھانا بوا کے دروازے پر رکھتا اور دروازہ کھٹکھٹا کر بھاگ جاتا۔

بوائے کئی بار جلدی سے دروازہ کھولا تاکہ اس بچہ کو دیکھ سکے مگر وہ ہر بار ناکام ہی رہی۔ مگر پھر ایک بار بوائے محلے کی کسی عورت کو بتایا تو بات اڑتے اڑتے پورے محلے میں پھیل گئی کہ ایک کالی جیکٹ والا بچہ پچھلے ایک مہینے سے بوائے کی مدد کر رہا ہے۔ سب اس بچے کی تعریف کر رہے تھے۔ مگر پھر ایک بار عدیل کے والد نے بھی اس بچہ کو دیکھ لیا۔

ہاں! وہ سو فیصد کہہ سکتا تھا کہ وہ کالی جیکٹ والا حارث ہی تھا۔ وہ اس کا چہرہ تو نہ دیکھ سکا تھا مگر جیکٹ سے پہچان لیا گیا تھا۔ شکیل نے ان تینوں کو بتا دیا کہ وہ بچہ کوئی اور نہیں حارث ہی ہے۔ اختر تو ہواؤں میں اڑنے لگا۔

”آہ! میرا پیارا بچہ ایک مہینے تک چھپ چھپ کر تنگی کرتا رہا اور مجھے علم تک نہ ہوسکا۔ جاوید صاحب ایک بار پھر احساس کمتری کا شکار ہوئے لگا۔ وہ دل میں بولے۔

”آہ کاش! وہ میرا بیٹا ہوتا!“
”ہمیں اس بچے سے سبق سیکھنا چاہیے۔ ہمیں راشدہ بوائے کی مدد کرنی چاہیے۔ وہ بیوہ عورت

ہے۔“ اسلم نے کہا۔

”ہاں اسلم ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ شکیل نے بھی اسلم کی بات کی تائید کی۔

اسلم نے مزید کہا کہ ہمیں اس بچے کو اس کے اس نیک کام کی داد دینی چاہیے تاکہ محلے کے دوسرے بچوں میں بھی نیکی کا جذبہ پیدا ہو۔
”ہاں بالکل!“ اختر نے کہا۔
پھر طے پا گیا۔



مغرب کی اذان ہو چکی تھی وہ بچہ ہاتھوں میں شاپرہ پکڑے ادھر ادھر دیکھتا ہوا گلی میں داخل ہوا اور تیزی سے راشدہ بوا کے دروازے پر شاپرہ رکھا اور دروازے پر دستک دی۔

شکیل، اسلم، جاوید اور اختر کے ساتھ باقی محلے کے لوگ چھپ کر اس بچے کے پیچھے گلی میں داخل ہوئے۔

”یہ جلوس کی شکل میں کہاں جا رہے ہیں؟“ فہد نے کہا۔

”اللہ ہی خیر کرے۔“ جلوان کے پیچھے جاتے ہیں۔“ عدیل نے کہا۔

وہ تینوں بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔ وہ دستک دے کر جوبی پلٹا، سامنے محلے والوں کو اور اپنے والد کو دیکھ کر گھبرا اٹھا۔ اس نے اپنا چہرہ مظہرے ڈھانپ رکھا تھا۔ اختر صاحب نے

اپنا سوبال آن کیا اور ویڈیو بنانے لگا۔ وہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

راشدہ بوا بھی باہر نکل آئی۔ سچی وہ تینوں بھی رش کو چہرتے ہوئے اندر آئے۔ تو سامنے وہ کالی جینک والہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔
”گوہر! تم؟ تم اودھر کیا کر رہے ہو؟ تم تو کہہ رہے تھے کہ تم گھر جا رہے ہو؟“ فہد نے کہا۔
”گوہر؟ گوہر؟“

سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ وہیں اختر صاحب اور جاوید صاحب چونک پڑے۔ جاوید صاحب کو یقین نہ آ رہا تھا۔ وہ ہنسٹک بول پاتے۔
”گوہر۔۔“

گوہر نے سر اٹھایا اور مغلر بنایا تو جاوید صاحب کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔
اختر شرمندہ شرمندہ سا کھڑا تھا۔ اس نے اپنا موبائل فون نیچے کر لیا تھا۔ اسلم اور حکیل صاحب مسکرائے اور آگے بڑھ کر گوہر کو گلے لگایا اور داد دیتے ہوئے بولے۔

”شاباش! گوہر بیٹے! شاباش! تم نے ہمارا سرفرے بلند کر دیا اور ہمیں احساس بھی دلادیا۔ آج کے بعد ہم کم کر راشدہ بوا کی مدد کریں گے۔ بیٹا! تم نے ہمیں پہلے کیوں نہ بتایا؟“

”ابکل! میں اپنی نیکی کی تشبیہ نہیں چاہتا تھا۔ جو نیکی کا اجر دیتا ہے وہ تو اچھی طرح سے جانتا

تھا۔ راشدہ بوا اور اس کے بچے کچی دن سے بھوکے تھے۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ مجھ سے جو ہو سکا وہ میں نے کیا۔

میں نے مارٹ کی جینک ہر بار اس سے پہنی کہ کوئی مجھے پہچان نہ سکے۔ اگر میں آپ لوگوں کو اس بارے میں بتاتا تو میری نیکی کا اجر ضائع ہو جاتا اور لوگ میری تعریفیں کرتے۔

میری نیکی میں ریاکاری کی ملاوٹ ہو جاتی جو کہ یقینی بات ہے۔“ گوہر نے سر اٹھایا اور کہا۔

اختر صاحب شرمندہ ہو گئے۔ اسے آج احساس ہوا تھا کہ واقعی میں وہ تو اپنے بیٹے کی نیکیوں کی تشبیہ کر کے انہیں ضائع کر رہا تھا۔ مگر آج گوہر نے اسے احساس دلایا تھا۔ سب کی آنکھوں میں آنسو تھے خاص کر جاوید صاحب کے۔ وہ آگے بڑھا اور گوہر کو سینے سے لگا لیا۔

”آج میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ گوہر میرا بیٹا ہے۔ میرا فخر ہے۔“

راشدہ بوا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ آج جاوید صاحب کی بھائے اختر اسلم اور حکیل اور باقی سب لوگ یہ دل میں سوچ رہے تھے کہ:

”کاش! وہ ہمارا بیٹا ہوتا!“



الَّذِي بَارَكْنَا خَلْقَهُ لِنُبَيِّنَ مِنْ آيَاتِنَا
: إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔

”پاک ہے وہ جو رات کے
ایک حصے میں اپنے بندے کو
مسجد اہرام سے مسجد الاقصیٰ
تک لے جایا جس کے ارد گرد
کوہم نے بہت برکت دی
ہے، تاکہ ہم اسے اپنی کچھ
نشانیاں دکھائیں۔ بدشہ دی
سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے
والا ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک تعالیٰ
نے اپنے دو مقدس گھروں مسجد الحرام اور
مسجد الاقصیٰ کا ذکر کیا ہے۔ مسجد الحرام وہ پہلا گھر
ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر ہوا جبکہ
دوسرا مسجد الاقصیٰ ہے جیسا کہ اس حدیث نبوی
محمد ﷺ سے ہمیں پتا چلتا ہے۔

میدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے
سوال کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ! کون سا گھر ارض پر سب سے پہلی
مسجد کون سی تعمیر کی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
”مسجد الحرام“

پھر عرض کیا دوسری کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟
آپ ﷺ نے فرمایا:
”مسجد الاقصیٰ“



اسراء اور معراج

اللہ عروبہ کی ان عظیم اشان نشانیوں میں
سے ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور
اللہ کے نزدیک آپ ﷺ کے عظیم مقام و مرتبہ
پر دلالت کرتی ہے، نیز اس سے اللہ عروبہ کی
حیرت انگیز قدرت اور اس کے اپنی تمام مخلوقات
پر اعلیٰ وارفع ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”مَنْ بَخَانَ الَّذِي آتَىٰ بَعْدَهُ لَيْلًا مِنْ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَىٰ

انہوں نے سوال کیا ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”چالیس سال“ (صحیح بخاری)

جیسے مسجد الحرام کی اہمیت و فضیلت ثابت ہے بعینہ مسجد الاقصیٰ کے مقدس اور بابرکت ہونے میں بھی کوئی دو رائے نہیں ہیں۔ متعدد قرآنی آیات اور احادیث مسجد الاقصیٰ کی فضیلت اور اہمیت پر دلیل ہیں۔

مسجد الاقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ اول ہے۔ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ موت کے تیرہ سالہ مکی دور میں اور ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ ماہ تک صحابہ اکرامؓ کے ساتھ تحویل قبلہ کا حکم آنے تک مسجد اقصیٰ ہی کی جانب رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔

مسجد الحرام اور مسجد نبوی ﷺ کے ساتھ ساتھ یہی وہ مقام ہے جس کے لیے برکت اور ثواب کی نیت سے سفر کیا جاسکتا ہے۔

زمین کی پشت پر یہی وہ واحد جگہ ہے جس میں ایک ہی وقت میں تمام انبیاء کرام کا اجتماع ہوا اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔

یہ اعزاز کسی اور جگہ کو حاصل نہیں ہے۔ مزید برآں مسجد الاقصیٰ میں پڑھی جانے والی نمازوں کا ثواب دوسو چوبیس نمازوں کے برابر ہے۔

مسجد الحرام کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی اور بعد ازاں حضرت ابراہیم اور حضرت

اسماعیل علیہم السلام نے انہی بنیادوں پر دوبارہ اسے تعمیر کیا۔

مسجد الاقصیٰ کے ضمن میں بعض مورخین حضرت یعقوب علیہ السلام کو مسجد الاقصیٰ کا بانی قرار دیتے ہیں مگر اوپر بیان کردہ صحیح البخاری کی حضرت ابو ذرؓ کی روایت کردہ حدیث سے بآسانی انداز کیا جاسکتا ہے کہ مسجد الاقصیٰ کے بانی بھی خود جناب آدم علیہ السلام ہی ہیں اور بعد میں آنے والے انبیائے اکرام، اقوام اور حکمران محض اس کی تعمیر نو کرنے والے ہیں۔

مسجد اقصیٰ کی اسی تجدیدی تعمیر میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحق، حضرت یعقوب، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے نام تاریخی کتب میں مختلف آراء کے ساتھ موجود ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی تجدیدی تعمیر کو یہودیہ نیکل سیمانی کا جواز بنا کر پیش کرتے ہیں اور اسی جگہ نیکل سیمانی کے وجود کا بے بنیاد دعویٰ کرتے ہیں جبکہ مسجد اقصیٰ سے نیچے کھدائیوں کے باوجود آج تک کسی دوسری عمارت کا کوئی نام و نشان انہیں نہیں مل سکا۔

یوں ان کی اپنی تحقیق بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ادوار سے اس بابرکت مقام پر مسجد الاقصیٰ ہی کا وجود ہے اور مسلم امہ کو تو معلوم ہوتا ہی چاہیے کہ انبیائے کرام مسابہ ہی تعمیر فرماتے تھے نیکل نہیں لیکن افسوس کہ آج

ہم مسلمان مسجد الحرام کو تو اپنا سمجھتے ہیں مگر مسجد الاقصیٰ بھی ہماری ہی قیمتی میراث ہے کو سمجھنے اور جاننے سے قاصر ہیں۔

ہم اپنے منصب کو سمجھ ہی نہیں پا رہے کہ ہم ہی امت وسط ہیں۔ ہم ہی انبیائے کرام اور مسجد الحرام، مسجد نبوی محمد ﷺ اور مسجد الاقصیٰ کے حقیقی وارث ہیں۔ جہاں ہم اپنے فرائض سے کوتاہی کے مرتکب ہو کر انسانیت کو مادہ پرستی کی جہالت میں ڈوبتا دیکھ کر خاموش ہیں وہیں مسجد الاقصیٰ کے پنجہ یہود میں جکڑے جانے پر بھی ہم پر غفلت کا عجب سکہ طاری ہے۔

آج صورتحال یہ ہے کہ ہماری اس مقدس عبادت گاہ کا تقدس آتے دن یہود کے ناپاک اور مفسوب وجود سے پامال ہو رہا ہے۔ نصاریٰ ان کی پشت پر ان کے ٹکھیاں بن کر کھڑے ہیں۔ کفار عالم تماشا بین ہیں اور ہم انتشار کا شکار، اپنی تاریخ اپنی میراث سے بے خبر اور بے پروا زندگی کی سمیں اور شا میں بے سمت و بے مقصد گزر رہے ہیں۔

فقط چند نہتے فلسطینی یہود کے ناپاک عوام کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہیں۔ یہاں ایک لمحہ ٹھہر کر چشم تصور میں ایک منظر لائیے! آپ کا بھائی اپنے آباؤ اجداد کے زمانے سے بنائے گھر (گھر جس میں آپ کا حصہ بھی ہے) میں آرام سے رہ رہا ہے۔ اچانک کچھ لوگ چند

اجنبیوں کو اپنا بھنونا بنا کر اس گھر کے پورچ میں داخل ہوتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ پورچ ان کا ہے پھر رفتہ رفتہ وہ صلیح ہو کر لاؤنج میں بٹھتے ہیں پھر کمروں پر قبضہ جماتے ہیں۔

رفتہ رفتہ وہ بقیہ گھر بھی ہتھیار ہے میں اور آپ کے بھائی کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اس گھر سے نکل جائے اس سسٹم میں آپ کی ڈیڑھ سال کی کلاریاں مارتی بھتیجی ان کی گولی کا نشانہ بن کر سکتے ہوئے مرجئی ہے کیونکہ ان لوگوں کے مقابلے کے لیے آپ کے بھائی کے پاس کوئی اسلحہ نہیں وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مل کر گھر میں موجود گچ اور چیل جیسی چیزوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کر رہا ہے۔

ایسے میں آپ کا بھائی مسلسل اپنے اور آپ کے گھر پر قابض ہوتے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کو آواز میں دے رہا ہے۔ مدد کے لیے بد رہا ہے۔

لیکن آپ اس کی مدد کو نہیں جا رہے۔ کیوں؟

یا تو آپ سرے سے اس واقعے سے لاعلم ہیں یا آپ نے اپنے اور بھائی کے دشمنوں سے کھٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ اپنے کسی ذاتی مفاد کے لیے بدکھوں کی امانت گھر اور اپنے پیارے بھائی کو دشمنوں کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔

بالکل ایسی ہی صورتحال فلسطین (بمصر سے

گھر) فلسطینی (ہمارا بھائی اور اس کے بیوی بچے) اور ہماری (تمام عالم اسلام اور ہم پاکستانی بالخصوص) ہے جو دشمن (اسرائیل) کے خلاف نئے مسجد اقصیٰ کی حفاظت کے لیے ہم سب کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

اب سوچیے! ہم اہل فلسطین جو مسجد اقصیٰ کی حفاظت کے لیے سر پہ نقن باندھے ہوئے ہیں کہ ساتھ بیوں نہیں کھڑے؟
میں ہم نے مسجد اقصیٰ اور اہل فلسطین کو اپنے دنیاوی آرام و آسائش کے عوض یہود کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے؟

اگر نہیں تو پھر ہم یقیناً حالات کی سنگینی سے ناواقف ہیں۔

یہود مسلسل فلسطین و شام، مسجد اقصیٰ اور اس کے گرد و نواح میں موجود مقدس سرزمین پر قابض ہو رہے ہیں۔ یہ سب زور و شور سے ہو رہا ہے مگر کیا کبھی گھر، اسکول، کالج، جامعات، یونین یا قرآن پڑھانے والے اساتذہ، دینی ادارے، مساجد کے منبر، ٹی وی چینلز یا کسی بھی قسم کے جلسے جلوسوں میں سے کبھی مسجد اقصیٰ کے حوالے سے بات ہوئی۔ سروے کر لیں 99.99 فی صد جواب نہیں میں ملے گا۔

ہمیں چونکہ مسجد اقصیٰ ہی کی بات کبھی نہ کی نہیں ملی تو وہاں کے حالات کو سمجھنا، ان حالات کی سنگینی کو جانچنا اور پھر اس سے نمٹنے کے لیے اٹھ

کھڑے ہونا تو بڑی دور کی بات ہے۔

یاد رکھیے! الٹمی خود ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو مسجد اقصیٰ کی اہمیت و فضیلت اور اس سے متعلق یہود کے ناپاک عوارق کا علم دیں۔

نہیں تو سہی!
فلسطین کی پھر ہم اسلامی نسل کے رہنما اور خطیب مسجد اقصیٰ عکرمہ صبری اور وہاں کے دیگر علماء مسلسل مسلم دنیا کے نام پر مقامات اور تنبیہات نشر کر رہے ہیں۔

خطیب مسجد اقصیٰ عکرمہ صبری نے اپنے حالیہ بیان میں بھی تمام امت کو پکارا ہے۔

”مکمل تیاری کے ساتھ مسجد اقصیٰ کا دفاع اور اس پر پھر وہ دینا وقت کی ضرورت ہے، اور یہ ذمہ داری صرف مقدسیوں (اہل قدس) کی نہیں بلکہ تمام عرب اور اسلامی ممالک بھی اس میں برابر کے ذمہ دار ہیں۔“

آئیں! ہم سب مل کر مسجد اقصیٰ کے علماء اور خطباء کی آواز پر اس دعا کے ساتھ لبیک کی صدا میں بلند کریں کہ اسلام کے نام پر قاتم ہونے والے ملک خدا داد پاکستان کے باشندے مسجد اقصیٰ کی صف اول کے محافظ ثابت ہوں۔

آمین ثم آمین۔



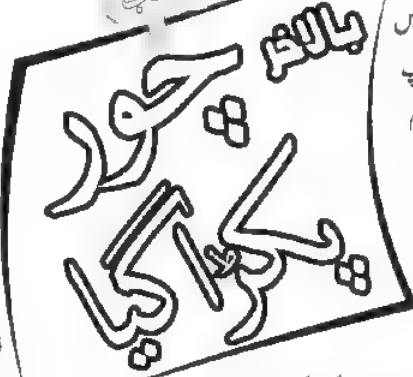
سردیوں کی بچ بچ رات میں چاروں طرف خاموشی کسی بھیاںک آسب کی مانند لگ رہی تھی۔

اسے امی جان نے پچکارتے ہوئے کہا۔

”جی امی جان! میں رہ لوں گا“ پہلے بھی تو رہا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔“

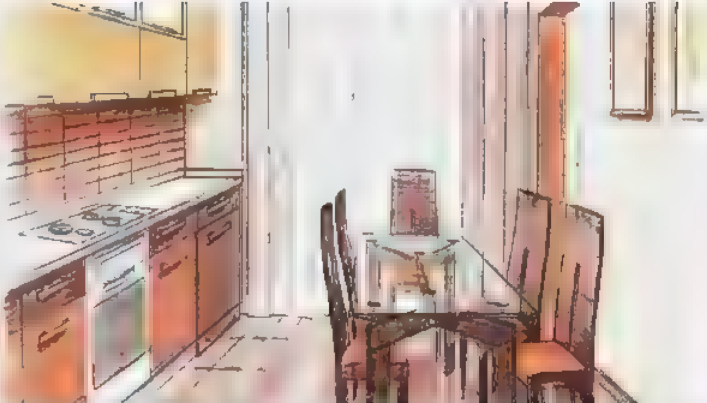
فرحان نے مسیخی سی شکل بنا کر کہا۔

”میں سہ قے میرا مٹھ پینا! میں چھوڑ کر بھی نہ جاتی بس اچانک یہ مسئلہ آں پڑ۔ تمہارے ابو اور میرا جانا بہت ضروری ہے اور گھر بھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتے اور تمہارے پیچھے بھی



غالی گھر میں وہ اکیلے بیٹھا پ ناپ پڑ کام کرنے میں مگن تھا کہ یکا یک سوتھ کچن سے زوردار آواز

آئی جیسے دو برق آپس میں کھڑکے ہوں۔ وہ کام کرتے کرتے چونک گیا۔ دبے پاؤں کچن کی طرف آیا تو اندر کا منظر اس کے لئے حیران کرنے والا تھا۔



تو سر پر ہیں۔ ورنہ تمہیں چھوڑ کر بھی نہ جاتی۔“

فرحان کی امی نے پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

”جی بالکل امی جان! میں سمجھتا ہوں۔ آپ فکر

نہ کریں۔ میں خیال رکھوں گا۔ اور پیچہ کی تیاری

کرسوں گا۔“ فرحان نے کہا۔

اگرچہ وہ اداس تھا اور اندر سے کچھ ڈرا ہوا

بھی مگر وہ امی ابوتہ پریشان کرنا نہیں چاہ رہا تھا۔

فرحان اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا۔

بے مدلاؤ لامرگس قدر سمجھا ہوا۔ اسے پڑھنے لکھنے

سے ہی فرصت نہ تھی۔ اس کی ڈی این اسے میں

کھیں کھیں کھیں اور دوسری مشغولیات پائی ہی نہ جاتی

تھی۔ اس لئے نہ تو اس کا کوئی دوست تھا اور نہ ہی

کوئی اس پڑھا کو کے قریب پھٹتا تھا۔

ابو کاروباری شخصیت ہونے کی وجہ سے اکثر

شہر سے باہر آتے جاتے رہتے تھے اسی لئے وہ

زیادہ تر اپنی امی جان سے ہی مانوس تھا۔ انہی

کے ساتھ رہتا اور اب انہی کی وجہ سے اداس ہو رہا

تھا۔ مگر وہ جانتا تھا کہ امی ابو کا جانا بہت ضروری

ہے اس لئے وہ اپنے پیروں کے تاثرات کو

چھپانے کی ہر ممکن کوشش میں لگا ہوا تھا۔

”اگر تم کچھ تو میں چچی عیدیکو تمہارے ہاں

رہنے کے لئے کہوں؟ بیٹا مجھے پریشانی ہو رہی

ہے۔“ اس کی امی دروازے کی طرف جاتے

جاتے واپس لوٹ آئیں۔

”امی کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ میں بالکل

گھبرا نہیں رہا۔ آپ کسی کو نہ سمجھیں۔ میں اکید

پڑھائی پر توجہ دینا چاہتا ہوں۔“ فرحان نے مضبوط

لہجے میں کہا۔

”بس کرو فرحان کی ماں! اب ہمارا بچہ بڑا

ہو گیا ہے۔ خیر سے بی ایس کر رہا ہے۔ کیوں

خو انخواہ پریشانی مول لے رہی ہو۔“ فرحان کے

ابو نے جو کافی دیر سے گاڑی میں بیٹھے انتظار کر

رہے تھے اوپنی آواز دیتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے بیٹا! فون آن رکھنا اور مجھ سے

بات کرتے رہنا۔ باہر مت نکلنا بس گھر پر رہنا۔

ڈیپوری بواتے صبح، دوپہر شام کا کھانا گھر پر ہی

دے جاتے گا اور ہاں ساتھ والے میجر اگل کو بھی

کہہ دیا ہے وہ بھی تمہارا خیال رکھیں گے۔“ فرحان

نے امی نے دروازے سے باہر جاتے جاتے

درجنوں باتیں فرحان کو اوپنی آواز میں کر لیں اور

فرحان نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

دونوں گاڑی میں بیٹھے تو فرحان انہیں

دروازے پر الوداع کرنے آیا اور ہاتھ ملانے لگا۔

فرحان نے ابو کی طرف دیکھا جو شاید اسے کچھ

کہہ رہے تھے مگر غیشہ بند تھا تو اس کے کچھ سمجھ نہیں

آ رہی تھی۔

گاڑی کا شیشہ نیچے ہوا تو فرحان کے ابو گویا

ہوئے:

”اور ہاں بیٹا! ہماری کالونی میں چوریاں

بھی بہت ہو رہی ہیں۔ گھر سے تو لگے ہوئے ہیں

میں

میں

میں

میں

میں

میں

میں

میں

میں

مگر احتیاط کرنا۔ دروازے پر دستک ہو تو پہلے
بکھرے کی مکین پر دیکھ لینا۔ یہ کہہ کر فرمان کے
ابو نے شیش اوپر کر لیا اور گاڑی روانہ ہو گئی۔

فرمان کو یہ آخری بات کچھ پریشان کر گئی مگر
اس نے کچھ نہ سمجھ آنے والے انداز میں کندھے
اچکا تے اور دروازہ لاک کر کے گھر کے اندر چلا
گیا۔



آج دوسرا دن تھا فرمان کے امی ابو آزاد
کشمر پہنچ گئے تھے۔ انہیں مزید تین دن وہاں
قیام کرنا تھا اور پھر انہیں واپس آنا تھا۔

فرمان سارا دن اپنے کمرے میں بند رہتا اور
صرف پڑھتا رہتا۔ دن کے وقت باہر کچھ نہ کچھ بھر
بھی شورا اٹھتا مگر رات میں بالکل خاموشی چھا جاتی
۔ ہر طرف ہوا کا عالم ہوتا۔ سر دیوں کی راتیں ویسے
بھی کچھ زیادہ ہی تاریک اور ٹوٹیل ہوتی ہیں۔

فرمان نے محسوس کیا کہ رات کے کسی وقت
کمرہ اور کچن سے کچھ آوازیں آتی ہیں۔ پہلے
پہل تو فرمان نے اسے اپنا دہم سمجھا مگر اگلی رات
جب وہ بیٹھا پڑھنے میں مشغول تھا اور ہر طرف
خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ اچانک کچن سے زوردار
آواز آئی اور فرمان ایک دم چونک گیا۔

وہ پاؤں اس نے آواز کا تعاقب کیا اور
کچن پہنچ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ گلاس
اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے اور جیج فرش پر

بکھرے پڑے تھے اور کچن کی ایسی حالت تھی
جیسے یہاں ابھی ابھی کوئی جنگ کر کے نکلا ہو۔



فرمان ایک دم پریشان سا ہو گیا۔ بھاگ کر
وہ اسٹور میں گیا اور وہاں سے ایک بڑا ڈنڈا اچکا
اور دوبارہ کچن میں آگیا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

دو کمرے ساتھ ہی بنے ہوئے تھے وہاں

اس نے دیکھا مگر وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ ایک
دم اسے خیال آیا اور اس نے ابو کے کمرے کی
طرف دوڑ لگا دی۔ اور سی سی وی فوٹیج کو چیک کر
دیکھنے لگا۔ سامنے اسکرین پر باہر کا منظر بالکل صاف
تھا۔ اکاد کا کوئی گاڑی ٹھیک کے قریب سے گزرتی
اور گزرتی ہی جاتی۔

کوئی شخص اندر آیا نہ گیا۔ پھلے تین گھنٹوں کی
ریکارڈنگ اس کے فاسٹ فاورڈ میں دیکھ میں
مگر اسے کچھ نہ ملا۔ ڈنڈا ابھی تک اس کے ہاتھ
میں تھا۔

اس کی پیشانی پر سٹوٹیں نمودار ہو گئی کہ یا اللہ!
یہ ماجرا کیا ہے؟

آخر کون ہے؟ کیا ہے؟ اور رات میں ہی
بھولے آوازیں آتی ہیں۔

کیا کوئی جن یا جھوٹ؟
اوہ! نہیں نہیں! ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ سب
جھوٹ ہوتا ہے۔ اس نے خود گلاہی کی۔

پھر آخر کیا؟ کیا کوئی جانور؟

مگر تو بہر طرف سے بند ہے تو پھر کسی جانور کی آمد بھی ممکن نہیں۔ آج تک ایسا نہیں ہوا؟ پھر!!

کون ہو سکتا ہے آخر!!

کیا کوئی چور؟ مگر کچن میں کیا کرنے آتا ہے؟ کیا اسے کچھ کھانے کا چاہیے؟ سوچتے سوچتے اس کی رائیس تیز چپنے لگیں۔ وہ بھاگ کر اندر گیا اور دن فائو یعنی پولیس ایمرجنسی پر کال کے لئے بٹن پر پریس کرنے ہی لگا کہ رک گیا۔

ٹائیڈ میرا دھم ہو۔ ہوا کے کسی جھونکے سے بھی تو برتن گر سکتے ہیں۔ ایسا نہ ہو میرا مذاق بن جاتے۔ اس نے موبائل کی اسکرین آف کر دی اور ایک گہری سانس لی۔ وہ پڑھ چکا تھا۔ اس لئے کہ اب مزید پڑھ بھی نہ سکتا چنانچہ وہ پیڈ پڑھ لیتا اور کچھ ہی دیر بعد اسے نیند آچکی تھی۔



اگلا دن حسب معمول وہ اٹھا۔ آج دن میں کچھ دھوپ لگی ہوئی تھی چنانچہ ناشتہ کر کے وہ صحن میں بیٹھ گیا۔ چھین چھین کر آتی دھوپ اس کے بدن کو سکون دے رہی تھی۔ وہ وہیں بیٹھا رہا۔ رات والا تھا اس کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ سارا دن وہ پرسکون رہا۔

رات ہوئی اور وہ رات کا کھانے کے بعد جب پڑھنے بیٹھا تو پھر اسے آواز میں سنائی دینے لگیں جیسے کوئی چل رہا ہو۔ وہ بھاگ کر کمروں میں

گھیا وہاں کوئی نہ ملا، اس کے بعد وہ کچن میں آیا تو وہاں پلاسٹک کا ایک ڈیپوزیٹیل گلاس جو اس کے باہر کے کھانے کے ساتھ آیا تھا نیچے فرش پر اٹا پڑا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ خوف اور پریشانی کے ملے جلے تاثرات اس کے چہرے پر عیاں ہوئے۔

یہ کون ہو سکتا ہے؟ یہ سوچتے ہوئے اچانک اس کے ذہن میں ایک آئینہ آیا۔ اس نے تین سے چار ڈیپوزیٹیل گلاس اکٹھے سمجھے اور انہیں کچن کی شیفٹ پر اس انداز میں کھڑا کیا کہ کوئی معمولی سا بھی دھکا ملے تو وہ گر جائیں۔

اور ان گلاس میں اس نے اسٹیل کے چمچ رکھ دیئے۔ تاکہ گلاس کے گرنے سے چمچ بھی گرے اور اسے آواز پہنچ جائے۔

پھر وہ بھاگ کر اندر گیا۔ اپنا موبائل اٹھایا اور اس کا ویڈیو ریکارڈر آن کر کے اس نے کچن میں ایسی جگہ موبائل رکھ دیا جہاں سے وہ ڈیپوزیٹیل گلاس اسے واضح نظر آجائیں۔

موبائل میں ویڈیو کے ایک گھنٹے تک کی ریکارڈنگ کا ناٹم سیٹ کر وہ واپس اپنے کمرے میں آگیا اور کمرے کا دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا تاکہ وہ کسی ناگہانی آفت سے محفوظ رہ سکے۔

ابھی ایک گھنٹہ نہ گزرا تھا کہ اچانک ایک زوردار آواز سنائی دی۔ برتن شاید گر چکے تھے۔ فرحان اس بار تو زیادہ ہی ڈر گیا تھا۔ اس کو جن



بھوتوں کی کہانیاں اب بچ لگنے لگی تھی۔ وہ اٹھا ڈنڈا ہاتھ میں پکڑا اور کانپتی ٹانگوں سے کچن کی طرف آیا۔ ڈرتے ڈرتے کچن میں بھانکا تو حیرت کا زور دار جھٹکا لگا۔

سارے کپ اور چمچے نیچے فرش پر گرے ہوئے تھے مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے بھاگ کر موبائل اٹھایا جو ابھی تک ریکارڈنگ موڈ میں تھا۔

صبح ہوتے ہی اس نے

سب سے پہلے گھر میں پڑی ”گم شیٹ“ جس پر چوہا آکر چپک جاتا ہے وہ دو جگہ پچھادی اور ٹھیک تین گھنٹوں بعد وہ چوہا اس شیٹ پر چپک چکا تھا۔ جسے فرمان نے اٹھا کر باہر کی راہ دکھادی۔

موسم سرما کی بجائے راتوں میں جب آپ گھر پر اکیسے بیٹھے ہوں اور کوئی آواز خاموشی کا پردہ چاک کرتے ہوئے آجائے تو گھبرائیں نہیں یہ وہ مخلوق ہے جسے کوئی نہیں روک سکتا۔ سردی نہ گرمی اسے صرف اور صرف چاہیے ہوتی ہے گھبرائی خاموشی اور سناٹا۔

یہ تب اپنے بولوں سے کھانے کی مہک سونگھتے ہوئے نکلتے ہیں اور پھر ان کی اجارہ داری ہوتی ہے۔ اس لئے گھبرائیں نہیں بس ان کی کبھوتہ کر لیں اور اگر پکڑ سکتے ہیں تو پکڑ کر گھر بدر کر دیں۔ یہ بڑے چالاک ہوتے ہیں اگلے ہی لمحے کسی اور گھر کو اپنے نشانے بدر لکھ لیتے ہیں۔



کچن کا دروازہ بند کیا اور بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لوٹا اور دروازہ بند کر دیا۔ ریکارڈنگ آف کر دی تھی۔ ویڈیو محفوظ ہو چکی تھی۔ پہلے پہل اس نے اپنا سانس بحال کیا اور پھر بیڈ پر بیٹھ کر اس نے ویڈیو آن کر دی۔

ویڈیو میں کچن کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔ گلاس جوں کے توں پڑے تھے بیسا کہ اس نے رکھے تھے۔ تیس منٹ وہ دم سادے ویڈیو دیکھتا رہا۔ مگر تجھ نہ ہوا۔

اکتالیسویں منٹ پر اچانک اس نے دیکھا کہ ایک انتہائی موٹا بھداسا چوہا جس کی جسامت کسی ٹی کے مانند تھی شیٹ پر چھلانگ لگا کر پہنچ چکا تھا اور بعد کے برتنوں کی تباہی اس نے کی تھی۔

بالآخر چور پکڑا جیسا تھا۔ فرمان نے ویڈیو آف کر دی۔ اس کی جان میں جان آئی کہ وہ کھما چوہا تھا جس نے تین راتوں سے اس کی جان نڈاب میں ڈالی ہوئی تھی۔

ایجادات کے دنیا

جن میں قابل ذکر ہارین حیان کو گبر، ابن رشد کو
ایرو، ابن سینا کو یونان اور ابن الہیثم کو البیزن کہنا
شروع کر دیا تاکہ ان عظیم انسانوں کا مسلمان اور
عرب ہونا ثابت نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ آج ہمارا سائنس کا غالب علم
خالد بن یزید، ذکر یا، رازی، ابن سینا، الخوارزمی، ابو
ریحان البیرونی، الفارابی، ابن مسکویہ، ابن رشد،
سندی، ابو محمد خوجدی، جابر بن حیان، موسیٰ بن
شاکر، البہائی، ابن الہیثم، عمر خیام، مسعودی، ابو
الوفاء اور الزہراوی جیسے عظیم سائنسدانوں کے
حالات زندگی اور سائنسی کارناموں سے یکسر
ناداقت ہے۔ بلکہ اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ ان کا
نام سن کر ہمارے طلباء حیرانی سی محسوس کرتے
ہیں۔ کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی

جب سے بنی نوع انسان کی شروعات ہوئی
ہے وہ نت نئی چیزیں بنانے اور ان کو اپنے
فائدے کے لیے استعمال کرنے کی جدوجہد کر رہا
ہے۔ ان سب ایجادات میں سائنس کا بہت اہم
کردار ہے۔ اور سائنس کی ان ایجادات میں سب
سے اہم کردار مسلمان سائنسدانوں کا ہے۔ اگرچہ
ابھی تک بہت سی مسلمانوں کی ایجادات ایسی ہیں
جو نظروں سے دور ہیں۔ حالانکہ دنیا کی مفید اور
ضروری ایجادات مسلمانوں اور عربوں کی مرہون
منت ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب دنیا میں جدید
یورپ کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ان میں سے بعض
کی تو جدید سائنس نقل بھی نہ کر سکی اور بعض کو نقل کر
کے ایجاد کا سہرا اپنے سر سجایا۔

یورپ والوں نے عظیم مسلمان سائنسدانوں



ہے کہ سائنس کی ترقی میں زیادہ ہاتھ
یورپ کا ہی ہے۔

مسلمانوں نے سائنسی خدمات اور
نسانی خدمات کی وجہ سے بہت نام بنایا
ہے۔ ان کی ایجادات نے دنیا کا رہن
سکن ہی بدل دیا۔ اور دنیا کو ایک نئی
سمت کی جانب گامزن کر دیا۔ اس بات
کا اقرار مغربی دنیا آج بھی کرتی ہے۔

آج میں آپ کو مسلمان
سامندہ نوں کے عظیم کارناموں اور انہ
ایجادات کے بارے میں بتاؤں گا جن

کے ی مہون منت ہے۔

2۔ یونیورسٹیاں

ڈگری دینے والی دنیا کی سب سے پہلی
یونیورسٹی بنانے کا سہرا بھی مسلمانوں کے سر
ہے۔ 859ء میں مراکش میں دنیا کی پہلی یونیورسٹی
استراویون نے پہلی ڈگری دی تھی۔ یہ یونیورسٹی
شہزادی فاطمہ الفری نے قائم کی تھی اور آج بھی
یہاں تدریس کا عمل جاری ہے۔

3۔ سرجری

مسلم سامندہ ان الزہراوی کے بارے میں یہ
مانا جاتا ہے کہ وہ جدید سرجری کا بانی ہے۔ انہوں
نے ہی سرجری کے آلات ایجاد کیے اور آپریشن کو
ممکن بنایا۔ ان کی بدولت ہی موجودہ دور میں
سرجری ممکن ہوئی۔

کی بدولت آج دنیا میں بہت سے کام سرانجام
دیے جا رہے ہیں۔ ان ایجادات کے بغیر آج
کے دور میں زندگی گزارنے کا تصور کرنا بھی تقریباً
ناممکن تھا۔

1۔ ہسپتال

دنیا کا پہلا ہسپتال بنانے کا سہرا بھی مسلمانوں
کے سر جاتا ہے۔ یہ ہسپتال 872ء میں مصر کے
شہر قاہرہ میں احمد بن طالون کے نام سے قائم کیا
گیا تھا۔ اس میں طبیب اور نرسیں مریضوں کے
علاج کے لیے موجود ہوتی تھیں۔ اور ساتھ ہی
طابعوں کی ٹریننگ کے لیے ایک سینٹر بھی
قائم تھا۔ یہاں پر مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا
تھا۔ یہی وجہ ہے ہسپتالوں سے محققہ میڈیکل
یونیورسٹیاں بنانے کا آئیڈیا مسلمان سامندہ انوں

5۔ جغرافیہ

مسلمان اس فن کے موجد ہیں۔ البیرونی اس فن کا امام ہے۔ البیرونی دنیا کے عظیم ترین سائنسدانوں میں سے ایک تھا۔ مگر بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اس عظیم مسلمان سائنسدان نے پاکستان کے سالت ریخ علاقے میں واقع تاریخی قلعہ تندنا میں رہتے ہوئے زمین کا قطر معلوم کیا تھا۔ یہ بات کافی دلچسپ ہے کہ البیرونی نے زمین کے قطر کے حوالے سے قرون وسطیٰ کی سائنس کی تحقیقی طریقہ کار کا استعمال کرتے ہوئے جو حسابات لگائے تھے ان میں جدید دور کے اعداد و شمار سے بہت کم فرق تھا۔

یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ زمین کا قطر البیرونی کی بے شمار سائنسی خدمات اور دوریا فتوں میں سے ایک ہے۔ تندنا قلعہ ضلع جہلم کے پنڈوا دن خان میں واقع ہے۔ یہ تاریخی قلعہ کیوڑہ نمک کی کانوں سے 6 کلومیٹر، ایم ٹی موڑ وے کے مشرق کی جانب 24 کلومیٹر اور جہلم شہر سے 85 کلومیٹر فاصلے پر موجود ہے۔

6۔ آلاتِ جراحی

جدید عہد کے متعدد سرجیکل آلات کی بنیاد دسویں صدی کے مسلم سرجن ابو القاسم الزہراوی نے رکھی، ان کے نشتر، قیچیوں اور دیگر دوسو آلات کی اہمیت کو

سرجری میں آج جو بھی آلات استعمال کیے جاتے ہیں سب ان کی مرہون منت ہیں۔ انہوں نے اس سلسلے میں جو کتب لکھیں وہ آج تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جا رہی ہیں۔

4۔ الجبرا

محمد بن موسیٰ الخوارزمی وہ پہلے سائنسدان ہیں جنہوں نے حساب اور الجبرا میں فرق کیا اور الجبرا کو باقاعدہ ریاضی کی صفت کے طور پر روشناس کرایا۔ یورپ پہلی بار حساب کے اس نئے سسٹم سے بارہویں صدی میں روشناس ہوا۔ الخوارزمی کو متفقہ طور پر دنیا بھر میں الجبرا کا بانی مانا جاتا ہے اور لفظ الگورتھم بھی ان کے نام سے ہی کشید کیا گیا ہے۔



آج کے عہد کے سرجن بھی مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے زخموں کو ٹانگے لگانے والا ایسا دھاگا بھی تیار کیا جو قدرتی طور پر جسم سے الگ ہو جاتا تھا جبکہ انہوں نے پیمپول بھی ایجاد کیا۔ ان کی سب سے بڑی تصنیف التصریف لمن عجز عن التالیف کے نام سے مشہور ہے اور اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔

الزہراوی ایک ماہر جراح ہی نہیں حجریہ کار طبیب بھی تھے۔ ان کی کتاب میں آنکھوں کے امراض، کان، حلق، دانت، موڑھے، تولید اور ہڈیوں سے متعلق معلومات موجود ہیں۔ الزہراوی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے طبیب تھے جنہوں نے بیوقوفانہ صرف دریافت کیا بلکہ اس پر تفصیل سے بات بھی کی ہے۔

زہراوی کو بالخصوص یورپ میں بہت شہرت حاصل ہوئی اور ان کی کتب کا بہت سی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا جن سے دنیا بھر میں جراحت سے وابستہ افراد استفادہ کرتے ہیں۔ ان کے ایجاد کردہ آلات جراحی جدید شکلوں میں آج بھی استعمال ہوتے ہیں۔

قرطبہ میں جس گلی میں الزہراوی رہتے تھے، آج وہ انہی سے موسوم ہے اور اس پر تختی پر لکھا ہے: زیوہ گھر ہے جہاں الزہراوی رہتا تھا۔

اسی طرح تیرہویں صدی میں ایک اور مسلم طبی ماہر ابن نفیس نے دوران خون کی وضاحت

کی جبکہ مسلم ڈاکٹروں نے افیون اور الکل کے امتزاج سے ایسی سوئیاں تیار کیں جس سے کمی کو بھی بے ہوش کیا جاسکتا تھا اور یہ تکنیک اب بھی استعمال ہو رہی ہے۔

7۔ گھڑی

یورپ سے سات سو قبل بھی اسلامی دنیا میں گھڑیاں عام استعمال ہوتی تھیں۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے ہم عصر فرانس کے شہنشاہ شارلیمان کو گھڑی (واٹر کلاک) تحفہ میں بھیجی تھی۔ محمد ابن علی خراسانی (لقب الساعی 1185ء) دیوار گھڑی بنانے کا ماہر تھا۔ اس نے دمشق کے باب جبرون میں ایک گھڑی بنائی تھی۔ اسلامی سین کے انجینئر المرادی نے ایک واٹر کلاک بنائی جس میں گیسر اور بیلنگنگ کے لئے پارے کو استعمال کیا گیا تھا۔ مصر کے ابن یونس نے گھڑی کی ساخت پر رسالہ لکھا جس میں مٹی کی گیسر ٹرین کی وضاحت ڈایا گرام سے کی گئی تھی۔ جرمنی میں گھڑیاں 1525ء اور برطانیہ میں 1580ء میں بننا شروع ہوئی تھیں۔

8۔ علم فلکیات وارضیات

776ء میں ابوالیم بن جندب نے سب سے پہلے عجائب الفلک کے مشاہدے کے لیے دو دین ایجاد کی تھی۔ دنیا کا پہلا ماہر فلکیات احمد بن سبتاح تھا جس نے گردش زمین کا نظریہ پیش کیا تھا۔ احمد کثیر الغسانی نے اپنے طریقہ سے زمین کے عجیب کی پیمائش معلوم کی جو مسئلہ محیط سے بہت



قریب ہے۔

ابن یونس صوفی نے اپنی کتاب ”الاشغائی“ میں حرکت کا قانون بیان کیا ہے اس قانون کو یورپ نے بوٹی سینا کے پانچ سال بعد نیوٹن کی ایجاد کے طور پر ساری دنیا میں مشہور کرا دیا۔

9۔ ماہر امراض چشم

ابن الہیثم دنیا کا پہلا انسان تھا جس نے کہا کہ روشنی آنکھ میں داخل ہوتی ہے۔ اس نے آنکھ کی ساخت پر بہت تفصیل سے لکھا اور دنیا کو آنکھ کے امراض سے متعارف کروایا۔ اگر انہوں نے یہ نہ بتایا ہوتا کہ کس طرح روشنی سفر کرتی ہے اور اسے کس طرح شیبہ کی صورت میں محفوظ بنایا جاسکتا ہے تو آج بھی مین ہول بکھرہ اور آگات چشم سے لاعلم ہوتے۔

10۔ کیمیا گری

تاریخ کا سب سے پہلا کیمیا دان اور عظیم مسلمان سائنسدان جابر بن حیان جس کے سائنسی نظریات نے دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ دنیا آج تک اسے بابائے کیمیا کے نام سے جانتی ہے۔ جابر بن حیان کو کیمیا کا بانی کہا جاتا ہے۔ وہ کیمیا کے تمام عملی تجربات سے نہ صرف واقف تھے بلکہ اس پر مکمل عبور بھی رکھتے تھے۔

جابر بن حیان ”قرع السیق“ نامی ایک آلہ کے بھی موجد تھے جس کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ

میں کیمیائی مادوں کو پکایا جاتا اور مرکب سے اٹھنے والے بخارات کے ذریعہ آلہ کے دوسرے حصہ میں پہنچا کر ٹھنڈا کر لیا جاتا تھا۔ یوں وہ بخارات دوبارہ مائع حالت اختیار کر لیتے، کشیدگی کا یہ عمل کرنے کے لئے آج بھی اس قسم کا آلہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا موجودہ نام ”ریٹاٹ“ ہے۔ جابر نے کیمیا کی اپنی کتابوں میں بہت سی اشیاء بنانے کے طریقے درج کئے۔ انہوں نے کئی اشیاء کے سلفائڈ بنانے کے بھی طریقے بتائے۔ انہوں نے شورے اور گندھک کے تیزاب جیسی چیزیں دنیا میں سب سے پہلی بار ایجاد کی۔ جو کہ موجودہ دور میں بھی نہایت اہمیت کی حامل اور سنسنی خیز ہے۔



ضرب المثل یعنی لفظی کہانی

مستقیم

آگ لگے تو بجھے جل سے، جل میں لگے تو بجھے کیسے؟

(آگ پانی سے بجھ جاتی ہے لیکن پانی میں لگی آگ کیسے بجھائی جائے)

اسلم صاحب گھر لوٹے تو کافی پریشان تھے۔

”نعمان کے کالج جانا تھا آج، گئے تھے آپ؟“ بیوی نے پوچھا۔
”وہیں سے تو آ رہا ہوں۔ تمام اساتذہ کو ہمارے بیٹے سے شکایات ہیں،
شکایت نہیں شکایات!“ اسلم صاحب سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔
”یا اللہ خیر!“ بیوی کے منہ سے نکلا۔

”نیک بخت دعا کرو! وہ اب جوان ہے، اسے کیسے سمجھائیں؟
کافی محنت کرنی ہوگی اب، دانا کہہ گئے ہیں کہ
”آگ لگے تو بجھے جل سے، جل میں لگے تو بجھے کیسے؟“
چھوٹے بچے کی اصلاح تو جلد ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر جوانی میں بری عادت پیدا ہو جائے تو وہ مشکل
سے جاتی ہے۔